ڈاکٹر رخشندہ مراد

استاد شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

"بری عورت کی کتھا" جرأت مندانہ اُسلوب کی عکاس

(تجزیاتی مطالعہ)

Dr. Rukhshanda Murad

Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

BURI AURAT KI KATHA" COURAGEOUS " "STYLE OF WRITING

In Urdu literature autobiography is a popular genre, however we can find many male writers in this field but renowned females are very rare. It has been said that female writers do not have courage to come in this field. Kishwar Naheed's autobiography "Buri Aurat ki Katha" proved it wrong. This article is critically examining the individual style of Kishwar Naheed in her autobiography. This autobiography is self-explanatory, dramatic in technical sense, courageous style, blunt writing with little sarcasm and emotionally expressive. These characteristics gave a uniqueness and individualistic style to Kishwar among her peers.

Key words: *Autobiography, renowned, rare, courage, critically, dramatic, self-explanatory, expressive, blunt*

مشرق ہو یا مغرب، خواتین کے لیے ادبی دُنیا کا حصہ بننا اور ادب تخلیق کرنا ہمیشہ ہی سے عمل متعرضہ رہا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ خواتین کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے اور انھیں قابل قدر مقام و مرتبہ دینے میں جانبداری سے کام لیا جاتا ہے اور جو خواتین ایسی جرأتِ رندانہ کی مرتکب ہوتی ہیں وہ معتوب ٹھہرائی جاتی ہیں۔ اس تمام تر خواتین مخالف ماحول، تعصب اور صنفی امتیاز کے باوجود علم و ادب کے منظر نامے پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ باہمت خواتین ادب کو نہ صرف اپنائے ہوئے ہیں بلکہ ادبی تخلیقی دنیا میں بتدریج ارتقائی منازل طے کر رہی ہیں کیونکہ ادب ہی وہ میدان ہے جہاں انھیں انکشاف ذات کے مواقع میسر ہیں۔ چنانچہ عصر حاضر میں خواتین تخلیق کاروں کی ادبی کاوشوں کو تنقید کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی اور پذیرائی بھی مل رہی ہے۔ چنانچہ اردو زبان و ادب میں بھی خواتین ماضی کی طرح اب صرف موضوع سخن نہیں رہیں بلکہ نثر اور شاعری دونوں میدانوں میں عورتوں کی تعریف، زبوں حالی، ناانصافی اور اپنے حقوق کے لیے خود قلم کار اور

تخلیق کار کی حیثیت سے سامنے آئیں ہیں۔اس ضمن میں اردو کے معاصر ادب میں کشور ناہید بے حد توانا اور قابل ذکر آواز گردانی جاتی ہیں۔ آپ کو بطور شاعرہ، مصنفہ، ترجمہ نگار اور کالم نگار جانا جاتا ہے۔

اگرچہ کشور ناہید کی پہلی ادبی شناخت شاعری ہے۔زندگی کی خوبصورتیوں اور تلخیوں سے لبریز شاعرہ کی حیثیت سے ان کی یہ پہچان بہت مستحکم بھی ہے لیکن نثر میں کشور ناہید کی سوانحی یادداشتوں (Autobiographies) کی سیریز کی چار کتابیں: بری عورت کی کتھا، شناسائیاں رسوائیاں، کشور ناہید کی نوٹ بک اور مٹھی بھر یادیں اپنے منفرد اور جرأت آمیز اندازِ بیان کی وجہ سے ہی باعث شہرت ہیں۔

تاہم پیش نظر تحریر کا موضوع ۱۹۹۴ء میں انڈیا سے شائع ہونے والی ان کی پہلی خود نوشت "بری عورت کی کتھا" ہے۔ یہ سوانحی اپنے نام، اندازومزاج اور اسلوب کے اعتبار سے منفرد اور قابل توجہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے سماجی، سیاسی اور اخلاقی سطح پر خواتین سے روا رکھے گیے رویوں اور ظلم و زیادتی کو جرأت مند اسلوب میں بیان کیا ہے۔ان کی اس تصنیف میں کم سن لڑکی سے لے کر نوجوان خاتون، ماں، بیوی اور ہر وہ رشتہ جو کسی نہ کسی طرح انسانی سماجی رشتوں سے منسلک ہے، استحصال زدہ، پریشان اور تکلیف دہ حالات سے دوچار ہے۔اگرچہ یہ کتاب کشور ناہید کے سوانحی حالات کا بیان ہے لیکن یہ تحریر عالمِ انسانیت سے ایک سوال بھی ہے، وہ یہ کہ دنیا میں بنی نوع انسان کو روز اول سے اب تک بے شمار انقلابات کا سامنا رہا ہے۔مادی ترقی ہوتی رہی ہے۔بہت سے رہنما آئے اور آ کر چلے گئے۔ لیکن اس تمام منظرنامے میں اخلاقی سطح پر "کیا انسانی ذات کا چیستان بھی بدلا ہے؟"

مصنفہ اپنی دانست میں اس کی سوال کی گتھیاں سلجھانے اور زندگی کے پرخار راستوں کو سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے اور اسی سعی لاحاصل میں جب وہ تاریخ کے جھروکے وا کرتی ہیں تو انھیں اپنی ذات میں ماضی کی مظلوم و معتوب خواتین کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

> "میرا ستارہ جمنائی ہے۔اس کی نشانی دو چہرے ہیں۔ کبھی دھوپ کبھی سایہ۔ جمنائی میں کہتے ہیں۔سات عورتیں زندہ ہوتی ہیں۔ کبھی مہ لقا ہو گی۔ کبھی لیلیٰ، کبھی زریں تاج، کبھی میرابائی، شیودھرا اور ثناء جیسی شہزادیوں کی کہانیاں بھی ہوں گی اور پھر حوا تو ہے ہی کہ پہچان کو انجان اور ہشیار کو خاموش بنانے کی یہ طلسم ہوشربا، قلم کو خنجر بنانے پر تلی ہوئی ہے۔"(۱)

یہ خودنوشت ایک کثیر المطالعہ مصنفہ کی داستانِ حیات ہے۔چودہ ابواب پر مشتمل اور ۱۷۴ صفحات پر تحریر کی گئی اس مختصر سی سوانح کا موضوع "عورت" ہے۔ "عورت" چاہے دنیا کے کسی بھی خطے، کسی بھی مذہب، کسی بھی عقیدے اور ماضی یا حال کسی بھی زمانے سے ہو، عورت مظلوم ہے۔ چناچہ کشور ناہید کا موضوع وہ سماجی بدسلوکیاں اور ناانصافیاں ہیں جو معاشرے نے

عورتوں کے ساتھ روا رکھیں ہیں۔ خواتین کا معاشرتی مقام اور ان کے حقوق کی پامالی کے بیان میں کشور ناہید کا قلم بہت جاندار اور کسی حد تک بے باک اور جرأت آمیز ہے۔ ڈاکٹر ندیم احمد لکھتے ہیں:

"اس خود نوشت میں کشور ناہید نے متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں میں عورت کی سماجی حیثیت کا ذکر بڑی بے باکی اور صاف گوئی سے کیا ہے اور اکثر تلخ اور طنزیہ لہجہ اختیار کیا ہے۔ جن صعوبتوں اور پریشانیوں سے عورتوں کو اپنے حقوق پانے کے لیے گزرنا پڑتا ہے، ہمارے سماج میں جس طرح سے عورتوں کا استحصال ہوتا رہا ہے، اگر ہم ان سبھی صورت حال کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیں تو کشور ناہید کا یہ تلخ رویہ فطری محسوس ہوتا ہے۔"(۲)

انسانی سماج میں مردوں کی بالادستی صدیوں سے قائم ہے اور اس کے اثرات نسل در نسل ہم تک بہت پختہ صورت میں پہنچے ہیں، انہیں یک لخت نکال پھینکنا یا تبدیل کر دینا آسان نہیں۔ لیکن تقریباً ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ عورت و مرد کو ایک جیسا انسان سمجھنے کے ضمن میں مشرقی و مغربی دونوں معاشروں میں مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں۔ تاہم مصنفہ کے نزدیک "عورت" مظلوم تو ہے ہی پر بے حد ظالم بھی ہے۔ مشفق خواجہ کہتے ہیں کہ کشور ناہید کی منصف مزاجی بھی داد کے لائق ہے کہ انہوں نے عورتوں کی ریاکاریوں کی داستانیں بھی خوب نمک مرچ لگا کر بیان کی ہیں۔ بعض چھ خصمی اور دس خصمی عورتوں کا ذکر کتاب کے ادبی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

تاریخ کے بدلتے ہوئے منظر نامے کے تناظر میں مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش خود نوشت میں ایک خاص دلچسپی اور آگہی کا عنصر پیدا کر دیتی ہے۔ کشور ناہید نے اپنے مشاہداتِ زندگی، تجرباتِ زندگی اور نظریاتِ زندگی کو قدرے مفکرانہ، فلسفیانہ اور تاریخ کے ساتھ تقابلی تجزیوں کے انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ تبصرے اور تحریریں قاری کے لیے باعث علم و آگہی اور عبرت آموز ہیں۔ خود کلامی کے انداز میں تحریر کی گئی اس خودنوشت کا آغاز تہذیبوں اور ماضی و حال کے موازنے سے ہوتا ہے، لکھتی ہیں:

"ایک شام میں اور میرا ایک مصری دوست باتیں کر رہے تھے۔ اپنے اپنے صحنوں اور ملکوں میں ہونے والی تبدیلیوں کی۔ وہ ہنس کے بولا "جو باتیں تم کر رہی ہو۔ میں بھی اسی طرح باتیں کرتا تھا۔ میری ماں برقعہ اوڑھتی تھی۔ مگر اب میر بیٹی بکنی پہنتی ہے"۔۔۔۔۔۔۔۔ برصغیر کے معاشرے نے ۱۹۴۰ء سے لے کر اب تک جس طرح اپنے آپ کو بدلا ہے۔ ان تبدیلیوں نے کس طرح ہمارے گلیوں، محلوں اور گھروں سے لے کر ذہن میں کہاں جالے بنے ہیں اور کہاں کھڑکیاں کھولی ہیں، یہ سب احوال اپنا بیان چاہتا ہے۔"(۳)

کشور ناہید آج کی پیچیدہ و بالیدہ زندگی کا تقابل ماضی کے تناظر میں کرتی ہیں۔ وہ زبردست عصری حسیت رکھتی ہیں۔ وہ شدید عصری حسیت اور وسیع تفکر کے ساتھ اپنے دور کی عام زندگی اور معاشرتی اعتبار سے سیاسی واقعات تک کا بیان بہت جرات آمیز اسلوب میں کرتی ہیں۔ اس ضمن میں وہ خود کلامی کی تیکنیک استعمال کرتی ہیں۔ ناصر عباس نیر "بری عورت کی کتھا" کا ناقدنہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کشور ناہید کی خود نوشت میں "ذہانت" کا عنصر ضرور ہے۔ یہ اردو کی پہلی خود نوشت سوانح ہے جس میں خود کلامی کی تکنیک برتی گئی ہے۔ مگر اس میں بے ساختگی کم ہے جو اس تکنیک کا لازمہ ہے۔"(۴)

اس کتاب کا اسلوبِ نگارش جرأت آمیز، بے باک اور حقیقت پر مبنی ہے۔ اسی بنا پر کشور ناہید کی یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں پہلے انڈیا اور تقریباً سال بعد ۱۹۹۷ء میں پاکستان میں شائع ہوئی۔ کتاب کا بے باکانہ اسلوب ہی اس کی اشاعت میں ایک بڑا مسئلہ رہا ہے اور یہ کوئی قابلِ حیرت امر نہیں ہے کیونکہ مشرقی معاشرے میں تو اگر مرد مصنفین ایسی بے باک جسارت کریں تو وہ معتوب اور قابلِ سنگ باری تصور کیے جاتے ہیں۔ یہاں تو بات ایک مسلمان عورت مصنفہ کی جرأت رندانہ کی ہے۔ تاہم تحریر کی اشاعت کے حوالے سے کشور ناہید جو خیالات رکھتی ہیں اس حوالے سے یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ اس عبارت میں تحریر کا لہجہ بے حد تلخ، کڑواہٹ اور طنز سے بھرپور ہے۔ اور مصنفہ کے بے باک، حقیقت پسند اور جرأت مند اندازِ تحریر کی عمدہ مثال بھی ہے۔ خود کلامی کے انداز میں لکھتی ہیں:

"یہ بحث میرا مسئلہ نہیں کہ کیا شائع ہو سکتا ہے، کیا شائع نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی کافکا کو چیکو سلاوکیہ میں شائع نہیں کیا گیا تھا۔ لوشوف، ماؤ زے تنگ کے زمانے میں بین تھا اور اب ماؤزے تنگ کا ذکر نہیں۔ لینن کا مقبرہ ختم، دیوارِ برلن منہدم، افریقہ، ایشیا اور یورپ کا سارا جغرافیہ، ساری تاریخ بدل گئی ہے۔ کیا اس سارے عالم میں ذات کا چیستان بھی بدلا ہے! بوسینا کی ننگی پاگل عورتوں کی تصویریں شائع ہونے کے بعد یہ بحث تو اپنی موت آپ مر گئی ہے کہ کیا شائع کیا جا سکتا ہے۔"(۵)

عورتوں کی مظلومیت کا ذکر اور سفاک حقیقتیں بیان کرتے ہوئے کشور ناہید کا قلم غم و غصے سے بھرپور اور بے رحم ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زمانے کی تمام تلخیاں ان کے کام و دہن میں بڑی خاموشی سے سرایت کر گئی ہیں۔ غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنی آپ بیتی میں مختلف چہروں پر پڑے ہوئے نقابوں کو اتار پھینکا ہے۔ یہ کتاب انتہا درجے کی حقیقت نگاری کی عکاس ہے۔ [٦]

مشفق خواجہ "بری عورت کی کتھا" پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "یادوں کی برات کا نسوانی ایڈیشن" میں لکھتے ہیں:

"کشور ناہید کی آپ بیتی "بری عورت کی کتھا" جو پاکستان میں نہیں ہندوستان میں شائع ہوئی ہے۔ یہ وہیں شائع ہو سکتی تھی کیونکہ پاکستان میں ایسی کتاب شائع کرنے کی کسی ناشر میں ہمت ہو سکتی ہے نہ جرأت۔" [٧]

بنیادی طور پر یہ کتاب یادداشتیں ہیں، جنہیں سوانحی انداز و تسلسل میں بیان کر دیا گیا ہے۔ بچپن، جوانی، شادی اور عہد کہولت کے واقعات میں اگرچہ ربط و ہم آہنگی ہے لیکن زمانی ترتیب اور تاریخوں کا اندراج نہیں ملتا۔ یہ خود نوشت مصنفہ کی نجی، تعلیمی، ادبی، ازدواجی زندگی اور ملازمت کے کٹھن اوقات کار کی روداد ہے۔ خود نوشت میں مصنفہ کا عہد جس میں وہ پروان چڑھیں، سانسیں لیتا، زندہ و جاوید نظر آتا ہے۔ تہذیبی زندگی کی رنگارنگی اور ان کا بیان تحریر کو دلکشی عطا کرتا ہے۔ ان کا عہد تہذیب و تمدن، گھروں کا ماحول، مختلف موسموں کے پکوان اور لباس تمام تفصیلات خود نوشت کا حصہ ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"(i) نانا فضل الرحمان خود وکیل تھے۔ ایسے وکیل جن کا دفتر بالکل الگ حویلی میں تھا۔ حویلی کے سامنے لمبی راہداریوں والے کمرے جن میں پیشی پہ آنے والے لوگ، محرر اور زمینوں پر مقرر قانون گو رہا کرتے تھے۔ نانی آمنہ السلام، محلے بھر کے بچوں کو قرآن پڑھاتی تھیں۔ پڑھنے والے بچوں کو جاتے وقت، فصل کے آئے ہوئے پھل، خربوزے، آم، سنگھاڑے ٹوکریوں میں بھر بھر دیا کرتی تھیں.... بچپن میں کبھی کسی کو پھل خریدتے نہیں دیکھا تھا۔ اس خوشحالی کے باوجود، صبح کا ناشتہ رات کی بچی روٹی اور چائے یا گھر میں بنی چھاچھ ہوتا تھا۔ سوئیوں سے لے کر، منگوچھیوں اور بڑیوں تک سب گھر پہ بنتی تھیں۔" [٨]

"(ii) تنگ پاجامے سردیوں میں اور ہر موسم میں ساڑھیاں اور غرارے پہنے جاتے تھے۔ زیادہ تر عورتیں وکٹورین سٹائل، کے کنگورے بنا کر بال بناتی تھیں۔" [٩]

"(iii) پردے کا یہ عالم تھا کہ ہماری نانی اور ایک عمر تک ہماری اماں بھی اپنے دامادوں کے سامنے نہیں آتی تھیں۔ ڈولی دوباری میں رکھی جاتی۔ اس میں ایک پتھر رکھا جاتا، اماں اس میں بیٹھتیں، پھر کہاروں کو اندر بلایا جاتا، وہ ڈولی نانی اماں کے گھر اسی طرح دوباری میں رکھتے اور یوں مختصر سے مختصر سفر بھی طے ہوتا۔" [١٠]

"(iv) ریز گاری میں آنہ اور پیسہ کے علاوہ دھیلا بھی ہوتا تھا جس کے عوض ڈھیر ساری مٹھائی مل جاتی تھی۔"(۱۱)

مصنفہ نے معاشرہ اور ماحول کو اس طرح پیش کیا ہے اس عہد کی سماجی، ثقافتی اور تہذیبی رویے روشن ہو تے چلے جاتے ہیں۔ کشور ناہید کی جزئیات نگاری بڑی جاندار ہے کیونکہ وہ اپنے معاشرے کی تاریخ، سیاست اور ثقافت سے بخوبی واقف ہیں۔ اپنے زندہ اسلوب نگارش کے باعث یہ خودنوشت زندگی سے بے حد قریب معلوم ہوتی ہے۔ تحریر کا یہ منفرد انداز ان کی شخصیت، ماحول اور علمیت کا آئینہ دار ہے۔ انہوں اس خودنوشت میں خود کلامی کی تکنیک کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کا بھرپور انداز میں اظہار کیا ہے اور اکثر واقعات کے بیان میں شعوری طور پر رمزیت وکنایہ سے کام لیا ہے۔ ان عبارات کی تفہیم صرف انہی لوگوں کے لیے ممکن ہے جو کشور ناہید کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ مصنفہ وقت کے اہم موضوعات پر اپنے خیالات واحساسات کو مکالماتی انداز میں پیش کیا ہے، تاکہ بیان واقعہ میں افسانوی رنگ پیدا ہو جاے، یہ اسلوب کو موثر بنانے کی ایک فنی کوشش ہے۔ ان کے ہاں محاورات بھی موقع و محل کے تحت برجستہ ہیں۔ عبارت میں عام بول چال کا مکالماتی انداز ہے۔ مثال دیکھیے:

"(i) وہ سید زادی جو نو بہن بھائیوں کے خاندان میں سب سے بڑی تھیں، سمندر میں نیم جمانے کو آئی تھی...."(۱۲)

"(ii) اماں پہلوٹھی کی اولاد، بہت چہیتی بیٹی کو بہت چہیتا شوہر نہ ملا۔ بلکہ معاملہ سیر اور سواسیر کا ہو گیا...."(۱۳)

کشور ناہید کے یہاں تہذیبی انحطاط، اقدار کی توڑ پھوڑ، معاشرتی خلفشار اور مسائل کے ساتھ ساتھ ناسٹلجیائی رویہ (nostalgia)، تانیثی مزاحمت اور احتجاج بھی نظر آتا ہے۔ وہ ایک جدید ذہن رکھنے کے باوجود دور قدیم کی تہذیبی قدروں کی طرف ایک حسرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ماضی کی فضا میں گم ان کی تحریر میں تشبیہات واستعارات کا فنکارانہ استعمال تحریر کی تاثیر کو دوچند کر دیتا ہے اور حقیقت نگاری کا فسوں قاری کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

"وہ شمشان گھاٹ جو سکول کے راستے میں آتا تھا۔ جہاں ہندو اپنے مردے جلاتے تھے، جہاں ٹھہرنے سے سخت منع کیا گیا تھا۔ جہاں ہر وقت دھویں کی لکیر موجود ہوتی تھی۔ جو آج تک میری آنکھوں کے کٹوروں میں تیرتا ہے۔ یوسف کے مرنے کے بعد میں جب قبرستان گئی وہی شمشان گھاٹ میرے سامنے تھا کچھ تصویریں عمر کے ساتھ ساتھ ان لارج ہوتی چلی جاتی ہیں۔"(۱۴)

اس خود نوشت میں کشور ناہید نے اپنی شاعری کے آغاز اور اپنے عہد کے ادب اور مشاعروں کی تفصیلات بہت سچائی سے رقم کی ہیں۔ زبان وادب سے وابستہ شخصیات کے اذکار کے ساتھ ساتھ سیاسی موضوعات و شخصیات پر بھی خوب نکتہ چینی کی ہے۔ اس تحریر میں جملے کاٹ دار اور طنز سے بھرپور ہیں۔ خاص طور پر معاشرتی ناانصافیوں کی شکار عورت، مردوں کی اجارہ داریاں اور مردوں کی برتری (Male chauvinism) کے حوالے سے لکھتے ہوئے ان کا اسلوب بلند و بانگ اور خطیبانہ ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی "خطابت انسانی کلام کا نسبتاً بلند آہنگ اسلوب ہے جس میں جملوں کی ساخت اور ترتیب کا اپنا ایک نظام ہوتا ہے۔ اس میں ہر بات مخاطب ہو کر کہی جاتی ہے اور اس کے مقاصد متاثر کرنا اور ترغیب دینا ہوتے ہیں۔ ایک کامیاب خطیب عقلی استدلال سے زیادہ اپنے سامعین کے جذبات کو متاثر کرتا ہے۔"(۱۵) کشور ناہید بنیادی طور پر مقررہ ہیں۔ فن تقریر میں ماہر ہیں چنانچہ یہ مہارت خطیبانہ لہجہ کی صورت میں ان کے اسلوبِ تحریر کا حصہ بن گئی ہے۔ یہ عبارت دیکھیے:

> "اپنی مرضی کا لفظ عورت کی زندگی میں داخل ہے! پیدا ہونے میں، پڑھنے میں---شادی--- شوہر کے انتخاب، زندہ رہنے میں، مرنے میں بھی نہیں---وہ کہ جنہیں کمرے میں بند کر کے جلا دیا جاتا ہے---عصمت لوٹ کر گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اپنی مرضی کے شوہر کے انتخاب میں گولی سے اڑا دیا جاتا ہے---ساری عمر مرد کی مرضی کا کھانا پکتا ہے---مرد کی مرضی کے کپڑے پہنتی ہے، زیور پہنتی ہے، سجتی ہے، لوگوں سے ملتی جلتی ہے---بس شوہر کی مرضی اوراجازتوں کی طنابوں کے اندر---اپنی مرضی---اس کا علم اور ذائقہ تو ان کے لیے اجنبی رہتا"(۱۶)

کشور ناہید کی خطابت کے حوالے سے مشفق خواجہ اپنے مضمون "شعلہ سا لپک جائے ہے الفاظ تو دیکھو" میں لکھتے ہیں:

> "کشور ناہید کی کتاب میں جو خطابت ملتی ہے اس کی وجہ سے اگر انھیں خطیبۂ پاکستان کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ان کی خطابت کا موضوع وہ بدسلوکیاں ہیں جو مردوں نے عورتوں کے ساتھ کیں۔ ان بدسلوکیوں کو وہ ایسے مؤثر اور دلگداز انداز میں بیان کرتی ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے پاس آنکھیں ہوں۔ عورتوں کے حقوق کی پامالی پر ایسے ایسے مضمون باندھے ہیں کہ انھیں پڑھ کر دل دکھتا ہے۔"(۱۷)

کشور ناہید اردو ادب کی ایک روایت شکن اور حوصلہ مند مصنفہ ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی خود نوشت میں عورت کے حوالے سے معاشرتی مسائل کے ساتھ معاشرتی جنسی رغبتوں پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ ہماری مشرقی تہذیب و روایات کا یہ

المیہ ہے کہ اس موضوع سے ہمیشہ ہی پہلو تہی کی گئی ہے اور اگر کسی باہمت مصنف نے اس حوالے سے زندگی کو دیکھنے کی کوشش کی ہے تو اس پر اعتراضات کیے گئے ہیں اور اسے سخت تنقید کا سامنا رہا ہے۔

"بری عورت کی کتھا" میں مغربی تاریخی حوالوں اور ماضی و حال کے موازنے کثرت سے کیے گئے ہیں۔ اس تمام عمل میں مصنفہ کشور ناہید کی اپنی شخصیت کہیں پس منظر میں چلی گئی ہے۔ تاہم سوانحی حالات و واقعات کے بیان میں مصنفہ کے سیرت و کردار کی خوبیاں اور خامیاں کہیں کہیں اپنی جھلک دکھاتی ہیں۔

خود نوشت کا اسلوب بیان اگرچہ سادہ اور سلیس ہے، مناسب جملے اور پر اثر الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ روزمرہ بامحاورہ زبان اسلوب کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہے لیکن مصنفہ نے اپنی کتاب میں فارسی اور عربی الفاظ کے ساتھ ساتھ بے شمار انگریزی الفاظ کو شعوری یا لاشعوری طور پر جابجا استعمال کیا ہے، اگرچہ ان کے نعیم البدل اردو میں موجود ہیں۔ مثلاً:

اتھلیٹ، ڈبیٹ، فیلڈ، سٹائل، ان لارج، فلمیں ڈویلپ، فوٹوز، Sensation، لیڈیز روم، embarrass، گروپ، گروپس، پاکٹ منی، فنکشن، بیک یارڈ، بیسمنٹ، ہوم ورک، ایکشن اور ڈراپ وغیرہ۔ اکثر مقامات پر جملوں کی صرفی و نحوی ترتیب درست نہیں۔ مثلاً:

(i) خواہش، خواب، سرگرمیاں اور عیب سب باری باری پہلے مر جاتے ہیں۔

(ii) اس شکل و شبہات کو گل و گلزار ٹائیفائیڈ نے بہت کیا۔

(iii) لڑکیاں بالیاں سارے گھروں کی مل کر رات بھر پکوان بنانے میں مصروف رہتی تھیں۔

اکثر مقامات پر اسم اور فعل میں مطابقت نہیں ہے مثلاً:

(i) بچیوں کو تو بس چُنا ہوا ابرق لگا دوپٹہ مل جاتا تو بہت خوش ہوتی۔

(ii) مجھے کتابیں پڑھنے کو نہیں دی گئی۔

(iii) کوئی بڑی بوڑھی سناتی تو ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کے قصے سناتی، پہلی جنگ عظیم کی باتیں بتاتی یا پھر جنوں اور بھوتوں کے قصے سناتیں۔

(iv) کس نے دی تھیں سزا۔ کیا اس عمل میں تم اکیلی تھیں۔

تحریر میں کہیں کہیں اردو زبان کے قدیم ترین طرز کے نمونے بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ یہ اندازِ تحریر اب متروک تصور کیا جاتا ہے۔ مثال دیکھیں:

(i) جو قلعہ والیاں، شہزادیاں تھیں

(ii) اماں کی گود میں بیٹھنے والی کو، منہ دکھائی میں گود میں بیٹھنے والیاں، سوتیلی بیٹیاں ملیں۔

مصنفہ کشور ناہید چونکہ کالم نویس بھی ہیں اس لیے ان کی تحریر میں رپور تاژ یعنی (Report Writing) کی خصوصیات بھی موجود ہیں۔ رپورٹ رائٹنگ کا مقصد اطلاع بہم پہنچانا اور روداد بیان کرنا ہے۔ یہ عبارت دیکھیے:

"میں کیا کروں۔ مذہب کے ٹھیکیدار مجھے خیام، غوری، امیچائی اور کارمی ادیبوں کی کتابیں حاصل نہیں کرنے دیتے۔ اس وقت بلاژو میں جہاں میں ہوں وہیں پہ اگنے والے پھل، ہم روز کھاتے ہیں، وہاں سامنے بہنے والی جھیل کا پانی ہم پیتے ہیں۔ بلاژیو کی خنک ہوا کی تازگی میں خود کو تروتازہ دیکھ کر بھی مجھے اجازت نہیں کہ میں اسے جنت مقام کہہ سکوں۔"(۱۸)

مختصراً یہ کہ کشور ناہید کی خودنوشت کا اسلوب نگارش خود کلامی کی ڈرامائی تکنیک، جرأت آمیز، بے باک، پرجوش خطابت اور جذبات کی شدت کا مظہر ہے۔ ان کی تحریر میں کاٹ دار طنز ہے۔ مزاح کا عنصر بہت کم ہے۔ البتہ کہیں کہیں ایسے واقعات کا اندراج بھی ملتا ہے جس سے قاری کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھل جاتی ہے۔

ان کے ہاں الفاظ، جملے سادہ اور رواں ہیں۔ کشور ناہید نے اپنی تحریر کو لغات کے بھاری بھرکم الفاظ سے گراں بار نہیں کیا۔ تاہم ماضی اور حال کے تناظر میں جو مباحث تحریر کیے ہیں ان میں مغربی شخصیات مثلاً سیفو اور، اینا اضماتووا، قزوین، ازبیلا، کیتھرین، تھریسا وغیرہ کے حوالے عبارت کی تفہیم میں حائل ہوتے ہیں۔ واقعات کا بیانیہ انداز خاصا دلچسپ ہے اور قاری کی توجہ کتاب سے ہٹنے نہیں دیتا۔ کشور ناہید کا اسلوبِ تحریر ان کی شخصیت، ماحول اور علمیت کا مظہر ہے۔

یوں تو کشور ناہید نے اپنی شاعری بھی سچائی کے ساتھ عورتوں کی زندگی کی ترجمان ہے جو معیار اور مرتبے میں منفرد ہے تاہم انھوں نے اپنی خودنوشت کو بہت ہی دلچسپ طریقے سے پیش کیا ہے اور حقایق کے بیان سے انداز نظر کی فکری جہت تک بالعموم حقیقت پسندی اور حق گوئی سے کم لیا ہے۔ اُن کی آپ بیتی "بری عورت کی کتھا" حقیقت پسندانہ اُسلوب، صاف گوئی اور جرأت مندانہ انکشافات کے حوالے سے ایک اہم تصنیف ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۳۶

۲۔ ندیم احمد، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں خودنوشت سوانحی عمری، مشمولہ خدا بخش لائبریری جرنل، پٹنہ، جولائی ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۴

۳۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص ۱۰

۴۔ ناصر عباس نیرّ، اردو خود نوشت سوانح کے پچاس سال، مشمولہ ''اوراق'' ماہنامہ لاہور، جولائی اگست،۱۹۹۸ء، ص۲۸۳

۵۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص۱۰

۶۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۰ء، ص۲۹۲

۷۔ مشفق خواجہ، یادوں کی برات کا نسوانی ایڈیشن، مشمولہ ہفت روزہ ''تکبیر''، کراچی، ۲۳مارچ ۱۹۹۵ء، ص۴۹

۸۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص۱۶

۹۔ ایضاً، ص۱۷

۱۰۔ ایضاً، ص۱۷

۱۱۔ ایضاً، ص۱۸

۱۲۔ ایضاً، ص۱۴

۱۳۔ ایضاً، ص۱۵

۱۴۔ ایضاً، ص۲۷

۱۵۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، چودھری افضل حق اور ان کی تصنیف ''زندگی'' کا سوانح اور فکری وفنی مطالعہ، دارالکتاب کتاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۲۰۰۸ء، ص۲۵۳

۱۶۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص۱۴

۱۷۔ مشفق خواجہ، شعلہ سا لپک جائے ہے، الفاظ تو دیکھو، مشمولہ ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، ۳۰ مارچ ۱۹۹۵ء، ص۲۵

۱۸۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص۳۵